ٹورانٹو (کینیڈا) میں ایک مجلس

ابوالاعلیٰ مودودی

(۲)

سوال نمبر ۱۰- ترقی کا صحیح مفہوم

"اگر ہم زمانے کا ساتھ نہ دیں تو ترقی کیسے کر سکتے ہیں۔ اس صورت میں تو ہم دنیا سے پیچھے رہ جائیں گے۔"

جواب:- اس سے پہلے ایک حدیث کی تشریح میں جو کچھ میں نے کہا ہے اس میں اس سوال کا جواب پوری طرح آگیا ہے۔ ایک بگڑی ہوئی سوسائٹی کے اندر شراب اور زنا اور جوا تو ایسے حلال و طیب ہو جاتے ہیں کہ علی الاعلان ان کے ارتکاب میں بھی کوئی قباحت محسوس نہیں کی جاتی بلکہ ان پر اعتراض کرنے والا اُلٹا نکّو بن جاتا ہے۔ ان سے بھی آگے بڑھ کر ایسے گھناؤنے افعال بھی جن کا نام لیتے ہوئے شرم آتی ہے، کھلے بندوں کیے جانے لگتے ہیں، یہاں تک کہ پوری بے باکی کے ساتھ ان کو جائز کر دینے کا مطالبہ صرف کیا ہی نہیں جاتا بلکہ مان بھی لیا جاتا ہے۔ ایسے حالات میں ایک مسلمان کا یہ کام نہیں ہے کہ غلط قسم کی ترقی (PROGRESS) میں اپنے آپ کو بھی شامل کرلے۔ ترقی یافتہ قوموں کا ہر فعل ترقی نہیں ہے۔ ترقی دراصل ایک اضافی اصطلاح (RELATIVE TERM) ہے۔ ہر شخص یا گروہ اپنے سامنے جو ہدف (GOAL) رکھتا ہے اس کی طرف پیش قدمی کو وہ ترقی سمجھتا ہے۔ ضروری نہیں کہ وہی ہدف ہمارا بھی ہو جو اُس کا ہے۔ ہم اگر اس ہدف کو غلط سمجھتے ہیں تو اس کی طرف جتنی پیش قدمی بھی ہم کریں گے وہ ہمارے لیے ترقی نہیں ہوگی بلکہ الٹی رجعت ہوگی اور ہم اپنے ہدف سے دُور تر ہوتے چلے جائیں گے۔ اب آپ خود دیکھ لیں کہ کیا مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا بھی وہی ہدف ہے جس کی طرف دنیا کی یہ بگڑی ہوئی قومیں چلی جا رہی ہیں؟ اگر ہمارا یہ ہدف نہیں ہے تو اس کی طرف پیش قدمی ہمارے لیے ترقی کیسے ہو سکتی ہے۔ ہم ایک خدا اور ایک رسول اور ایک کتاب کے ماننے والے ہیں اور

ہمارا ہدف نیکی اور تقویٰ کی زندگی ہے جو آخرت میں ہم کو فلاح و سعادت سے ہمکنار کرے۔ ہمارے دین نے ہم کو مستقل قدریں (PERMANENT VALUES) دی ہیں جو کبھی بدل نہیں سکتیں۔ جو کچھ حرام ہے وہ ہمیشہ کے لیے حرام ہے، اسے حلال نہیں کیا جا سکتا، اور جو کچھ حلال ہے وہ ہمیشہ کے لیے حلال ہے، اُسے حرام نہیں کیا جا سکتا۔ ہم ان قوموں کی طرح نہیں ہیں جن کی قدریں روز بدلتی ہیں۔ آج جو نیکی ہے کل وہ بدی بن جاتی ہے اور آج جو حرام ہے کل وہ حلال ہو جاتا ہے۔ ایسی ناپائدار قدروں کو ہم کیسے قبول کر سکتے ہیں۔ ہمارا یہ کام نہیں ہے کہ دنیا جس طرف جا رہی ہو ہم بھی اسی طرف جائیں۔ ہمارا کام یہ ہے کہ اگر دریا غلط راستہ کی طرف بہہ رہا ہو تو ہم اس کا رخ پلٹ دیں، یا اگر اس کا رُخ پلٹ نہ سکیں تو اس کی رَو کے خلاف چلیں۔ اس کی رو کے خلاف چل کر اپنے ہاتھ پاؤں توڑ لینا اور اُس کے بھنور میں آکر ڈوب جانا اس سے بہتر ہے کہ ہم اس کے ساتھ بہتے ہوئے اپنی منزل سے دُور ہوتے چلے جائیں۔

سوال نمبر ۱۱۔ پردہ مغربی معاشرے میں

"پردہ کے اصطلاحی پہلو کے بارے میں اسلام کا قاعدہ کیا ہے؟ آپ مغربی دنیا میں اس پر کیسے عمل کرا سکتے ہیں؟ مردوں اور عورتوں کے مخلوط اجتماعات کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب:۔ آپ لوگ اس معاملے میں میرے خیالات جانتے ہوں گے۔ میری کتاب پردہ اُردو، عربی اور انگریزی میں شائع ہو چکی ہے۔ تفسیر سورۂ نور میں بھی اس کی پوری وضاحت کر چکا ہوں اور یہ بھی اُردو اور عربی میں شائع شدہ موجود ہے۔ سورۂ احزاب کی تفسیر اگرچہ دوسری کسی زبان میں شائع نہیں ہوئی، مگر اُردو میں تو شائع ہو چکی ہے۔ اس کے بعد میں نہیں سمجھ سکا کہ یہاں یہ سوال کرنے کی ضرورت کیوں محسوس کی گئی۔ یہ بات سب لوگوں کو معلوم ہونی چاہیے کہ اسلام عورتوں اور مردوں کے آزادانہ میل جول اور مخلوط سوسائٹی (MIXED SOCIETY) کا قطعی قائل نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کے زمانے میں جب عورتوں نے یہ چاہا کہ انہیں مسجد نبوی میں آکر حضورؐ کے پیچھے نماز پڑھنے کی اجازت دی جائے تو آپؐ نے انہیں منع تو نہیں کیا مگر فرمایا کہ تمہارا اپنے گھر میں نماز پڑھنا میری مسجد میں آکر پڑھنے سے بہتر ہے، اور تمہارا اپنے گھر کے اندر کسی حجرے میں پڑھنا اپنے گھر کے دالان میں پڑھنے سے بہتر ہے۔ پھر جب عورتوں نے اس شوق کا اظہار کیا کہ وہ آپ کے پیچھے نماز باجماعت میں شریک ہوں تو آپؐ نے صرف صبح اور عشا کے وقت آنے کی اجازت

دی، ان کے آنے جانے کے لیے الگ دروازہ مخصوص کر دیا، اور اُن کے لیے مردوں کی صفوں کے پیچھے کی صفیں مقرر فرمائیں۔ اُس زمانے میں صبح کی نماز ایسے وقت ختم ہوتی تھی جب نماز سے فارغ ہو کر مسجد سے واپس جاتے وقت بھی اتنا اندھیرا ہوتا تھا کہ ایک دوسرے کو پہچانا نہیں جاسکتا تھا۔ عشا کی نماز میں شریک ہونے کی اجازت بھی اِس لیے دی گئی تھی کہ اُس زمانے میں بجلی کی روشنی نہیں ہوتی تھی، اس لیے پیچھے کی صفوں میں کھڑی ہونے والی عورتیں چھپی رہتی تھیں۔ پھر حکم یہ تھا کہ نماز ختم ہونے کے بعد مرد بیٹھے رہیں اور جب عورتیں چلی جائیں اُس وقت اُٹھیں۔ جس مذہب کی یہ تعلیمات ہوں اس کے متعلق آپ یہ پوچھتے ہیں کہ وہ عورتوں اور مردوں کے مخلوط اجتماعات کی اجازت دیتا ہے؟ اب اگر آپ ایسی جگہ آ گئے ہیں جہاں اِس غلط طریقے کا رواج عام ہے تو خدا کے لیے جو کچھ آپ کو کرنا ہے کریں، اس کو اسلامی تعلیم بنا کر پیش کرنے کی کوشش نہ کریں۔ شریعت کے تابع آپ نہیں رہ سکتے تو شریعت کو اپنا تابع تو نہ بنائیں کہ جو کچھ آپ کرتے جائیں، شریعت بھی اس کی اجازت دیتی چلی جائے۔ مغرب کی اس سوسائٹی کے رنگ ڈھنگ آپ کو اختیار کرنے ہیں تو کیجیے مگر اپنے آپ کو گناہگار سمجھ کر کیجیے۔

اسی پچھلے سوال کے سلسلے میں ایک اور بات آپ سے کہنا چاہتا ہوں۔ اگر یہ سوال کوئی شخص مجھ سے پاکستان میں یا کسی دوسرے مسلمان ملک میں کرتا تو اس کی وجہ کچھ سمجھ میں بھی آسکتی تھی۔ لیکن یورپ، امریکہ یا کینیڈا میں جو لوگ رہتے ہیں ان کا ایسے سوال کرنا بہت ہی عجیب معلوم ہوتا ہے۔ آپ آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ اختلاطِ مرد و زن کیا رنگ دکھا رہا ہے۔ کیسی کیسی اخلاقی خرابیاں یہاں اُمنڈ رہی ہیں۔ کس طرح خاندانی نظام تباہ ہو رہا ہے۔ کس طرح اسقاطِ حمل (ABORTION) کا رواج بڑھ رہا ہے، اسے قانونی جواز عطا کیا جا رہا ہے اور کہا جا رہا ہے کہ عورت کو اس کا ویسا ہی حق ہے جیسا ایک دانت نکلوانے کا اسے حق ہے۔ کس طرح نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ خواہشاتِ نفس کو پورا کرنے کی جو طبعی صورتیں تھیں ان سے لوگوں کے دل بھر گئے ہیں اور اب وہ طرح طرح کے گھناؤنے خلافِ فطرت افعال (PERVERSIONS) کی طرف مائل ہوتے جا رہے ہیں، بلکہ اس قسم کے افعال بھی بے تحاشا وبا کی طرح پھیل رہے ہیں۔ عریانی کس شدت سے بڑھ رہی ہے۔ نیم برہنہ نوجوان جوڑے کس بے شرمی کے ساتھ برسرِعام بوس و کنار کر رہے ہیں۔ حرامی بچوں کی تعداد کس رفتار سے بڑھ رہی ہے اور حلالی بچوں کی پیدائش کو کس طرح روکا جا رہا ہے۔ یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لینے کے بعد تو آپ کو سمجھنا چاہیے تھا کہ آپ کے اوپر خدا اور رسول کا یہ احسانِ عظیم تھا کہ اُس نے اخلاقی تباہی کے

اِس گڑھے میں گرنے سے پہلے ہی اُس راستے کے اولین قدم پر آپ کو روک دیا جو اس گڑھے کی طرف لے جاتے والا تھا۔ یہاں جو شخص اختلاطِ مرد و زن کے جواز کا فتوٰی پوچھتا ہے، مجھے اس پر سخت حیرت ہوتی ہے۔

سوال نمبر ۱۲۔ فلاحی ریاست کا اسلامی تصور

"اسلام میں محاصل (TAXATION) کا کیا تصور ہے؟ ایک فلاحی ریاست اسلام کا معاشی نظام اختیار کرنے کے بغیر نہیں بن سکتی۔ مگر جماعت اسلامی نے اس کو کبھی نمایاں کر کے پیش نہیں کیا۔"

جواب:۔ میں نہیں سمجھتا کہ جن صاحب نے یہ سوال کیا ہے انہوں نے میری اور جماعت اسلامی کی شائع کردہ کتابوں اور جماعت کے منشور کو کبھی دیکھا ہے۔ اگر انہوں نے یہ چیزیں دیکھی ہوتیں تو شاید یہ بات نہ کہتے کہ جماعت نے اسلام کے معاشی نظام کو پیش نہیں کیا ہے اور نہ یہ بتایا ہے کہ اسلام کس طرح ایک فلاحی ریاست (WELFARE STATE) بناتا ہے۔ ان کی غلط فہمی رفع کرنے کے لیے میں عرض کرتا ہوں کہ ہم نے وضاحت کے ساتھ یہ بیان کیا ہے کہ اسلام ہی ایک صحیح قسم کا ویلفیر سٹیٹ بنا سکتا ہے۔ ایک ویلفیر سٹیٹ تو وہ ہوتا ہے جس میں لوگوں کو کسی قسم کی اخلاقی تعلیم و تربیت نہیں دی جاتی۔ ان کو کسی قسم کی صحت مند روحانی غذا نہیں ملتی۔ ان کو صحیح معنوں میں انسان بنانے کی کوئی کوشش نہیں کی جاتی۔ البتہ اس امر کی کوشش کی جاتی ہے کہ ان کی تمام ضروریات کو سٹیٹ پورا کرے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگیا ہے کہ جب ان کی تمام ضروریات سٹیٹ پوری کر دیتا ہے تو اس کے بعد ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اب وہ اور کیا کریں۔ پھر وہ بے مقصد عیش کی زندگی سے اُکتا کر طرح طرح کی بدراہیوں اور بدکرداریوں پر اُتر آتے ہیں۔ اور جب ان سے بھی دل بھر جاتا ہے تو نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ وہ خودکشی کرنے لگتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ آج جو بڑے بڑے ویلفیر سٹیٹ ہیں ان میں خودکشی کی شرح کیا ہے؟ اگر یہ ویلفیر سٹیٹ واقعی آدمی کو مطمئن کر دیتا ہے تو اس کو خودکشی کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ محض دنیوی سامانِ عیش کی فراوانی انسان کو اطمینان نہیں بخش سکتی۔ انسان صرف روٹی سے نہیں جی سکتا۔ اس کے قلبی اطمینان کے لیے اور اس کے ذہنی سکون کے لیے مادی خوشحالی کے علاوہ بھی کوئی چیز چاہیے جو یہ ویلفیر سٹیٹ پیش نہیں کر سکتا۔

پھر یہ ویلفیر سٹیٹ آدمی کو کام چور بنا دیتا ہے۔ وہ کم سے کم کام کر کے زیادہ سے زیادہ معاوضہ لینا چاہتا ہے۔ وہ کہتا ہے ہفتہ وار تعطیل کے لیے دو دن بھی کافی نہیں ہیں۔ تین دن ہونے چاہییں۔ بلکہ وہ ہفتے میں تین دن

ہی کام کرنا چاہتا ہے۔ دفتروں اور کارخانوں میں جاتا ہے تو ہر بہانے کام سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ اخلاق کی بنیاد کے بغیر جس ویلفیر سٹیٹ کی تعمیر کی جاتی ہے وہ بالآخر اسی طرح کی خرابیوں سے دوچار ہو کر رہتی ہے۔ اس کے برعکس اسلام پہلے انسان کا اخلاق درست کرتا ہے۔ اُسے حق شناس اور فرض شناس بناتا ہے۔ اُس میں خدا ترسی اور پرہیز گاری پیدا کرتا ہے، اور پھر اس کے لیے دنیوی خوشحالی کا پورا سروسامان بہم پہنچاتا ہے۔ ایسے ویلفیر سٹیٹ میں نہ انسان کام چور بنتا ہے نہ بدکردار، اور نہ اسے کبھی خودکشی کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اس کی تمام جائز خواہشات اور ضروریات جب پوری کر دی جاتی ہیں تو وہ آگے بڑھ کر انسانیت کی فلاح کا کام کرتا ہے اور اپنے اوقات و وسائل زیادہ سے زیادہ نیکیوں اور بھلائیوں کے پھیلانے میں صرف کرتا ہے۔

سوال نمبر ۱۳۔ حرام و حلال گوشت کا مسئلہ

"حلال گوشت کا کیا تصور ہے؟ کیا جانور کو ذبح کرتے وقت اللہ اکبر کہنا ضروری ہے؟ اور سور کیوں حرام ہے؟ جھٹکے کا گوشت مکروہ ہے یا حرام؟ کن حالات میں مجبوری کے باعث جھٹکے کا گوشت کھایا جا سکتا ہے؟ اگر کوئی غیر مسلم اللہ اکبر کہہ کر اسلامی طریقہ سے ذبح کرتا ہے تو گوشت حلال ہوتا ہے یا حرام؟ بہت سے مسلمان جھٹکے کا گوشت کھاتے ہیں اور تاویل فرماتے ہیں کہ لقمہ کھانے سے پہلے "اللہ اکبر" کہنے سے یہ گوشت حلال ہو جاتا ہے۔ یہ بات صاف طور پر عیاں ہے کہ اگر وہ جھٹکے کے گوشت پر پورا قرآن شریف بھی ختم کر لیں تو وہ گوشت جھٹکے ہی کا گوشت رہے گا۔ راقم الحروف نے اپنے ایک بھائی کے ذریعے مفتی محمد شفیع صاحب سے دریافت کرایا تھا کہ جھٹکے کا گوشت مکروہ ہے یا حرام؟ جواب وصول ہوا، حرام ہے۔ اور صرف اس حد تک کھایا جا سکتا ہے کہ حیات باقی رہے"۔

جواب:۔ میں اس مسئلے کی وضاحت اُردو میں بھی کر چکا ہوں اور عربی میں بھی۔ جو اصحاب اس مسئلے کو تفصیل کے ساتھ سمجھنا چاہیں وہ اُردو یا عربی میں میرے اس مضمون کو پڑھ لیں۔ اُردو میں میری کتاب تفہیمات حصہ سوم میں یہ مضمون موجود ہے۔ اور عربی میں پہلے اس کو "المسلمون" نے شائع کیا تھا اور بعد میں وہ کتابی شکل میں بھی شائع ہو چکا ہے۔ جہاں تک میں نے قرآن اور حدیث کا مطالعہ کیا ہے، میرے علم میں ایک گوشت کے حلال ہونے کے لیے تین شرطیں ہیں۔ ایک یہ کہ جانور حلال قسم کا ہو نہ کہ ایسا جانور جسے شریعت میں حرام

کیا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ جانور کا گلا اس حد تک کاٹا جائے کہ اس کے دماغ کا پچھلا حصہ جسم سے منقطع نہ ہو جائے۔ کیونکہ اگر وہ کٹ جائے تو جانور کی موت فوراً واقع ہو جائے گی اور اس کے جسم کا پورا خون باہر نہ آسکے گا بلکہ اندر ہی گوشت کے ساتھ چمٹ کر رہ جائے گا۔ لیکن اگر آدھا گلا کاٹا جائے اور پچھلے حصہ کا تعلق جسم کے ساتھ باقی رہے تو جانور تڑپے گا اور اس کے تڑپنے سے خون پورا کا پورا باہر آجائے گا اور اس کی موت خون بہنے سے واقع ہوگی۔ اس طرح اس کا گوشت خون سے پاک ہو جائے گا۔ تیسری شرط یہ ہے کہ ذبح کرتے وقت جانور پر اللہ کا نام لیا جائے۔ اللہ کا نام لیے بغیر ذبح کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ۔ جانور پر اللہ کا نام لینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جانور کھڑا ہے اور اس پر اللہ کا نام لے لیا جائے، بلکہ ذبح کرتے وقت اس پر اللہ کا نام لینا مقصود ہے۔ ان شرطوں سے ذبیحہ حلال ہوتا ہے۔ یہ شرطیں اگر نہ پائی جائیں تو میرے نزدیک اور علما کی اکثریت کے نزدیک وہ حلال نہیں ہوگا۔

سور کیوں حرام کیا گیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہر چیز کھانے ہی کے لیے پیدا نہیں کی ہے۔ جو لوگ سور کے متعلق یہ سوال کرتے ہیں وہ آخر دوسرے بہت سے جانوروں کے متعلق بھی کیوں نہیں پوچھتے؟ انہیں پوچھنا چاہیے کہ چوہا، بلی، گدھا، کتا، چیل، کوا، گدھ، کیچوے وغیرہ کیوں نہ کھائے جائیں؟ ظاہر ہے کہ دنیا کی ہر چیز صرف کھا لینے کے لیے نہیں ہے۔ رہا یہ سوال کہ اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر سور کی حرمت کا حکم کیوں دیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا میں بعض چیزیں تو ایسی ہیں جن کے نقصانات کو ہم خود جان سکتے ہیں اور ان کو جاننے کے لیے ہمارا علم و تجربہ کافی ہے۔ ایسی چیزوں کے استعمال سے منع کرنے کی اللہ اور رسولؐ کو کوئی ضرورت نہ تھی۔ لیکن جن چیزوں کا نقصان ہم نہیں جان سکتے اُن کے متعلق حکم دینا اللہ اور رسولؐ نے اپنے ذمہ لیا ہے۔ وہ ہمیں بتاتے ہیں کہ انہیں کھانے سے پرہیز کرو۔ اب جسے اللہ اور رسولؐ پر اعتماد ہو وہ ان سے پرہیز کرے اور جسے ان پر اعتماد نہ ہو وہ جو کچھ چاہے کھاتا رہے۔

جھٹکے کے گوشت کے متعلق چونکہ حرمت کا حکم خود قرآن مجید میں ہے اس لیے اسے محض مکروہ کہنا صحیح نہیں ہے بلکہ وہ حرام ہے۔ اسے اور دوسری حرام چیزوں کو صرف ایسی حالت ہی میں کھایا جاسکتا ہے جبکہ آدمی کی جان پر بن رہی ہو اور صرف وہ حرام چیز ہی بھوک مٹانے کے لیے موجود ہو۔ ایسی حالت میں صرف جان بچانے کی حد تک اسے کھایا جاسکتا ہے۔

اگر کوئی مشرک اللہ اکبر کہہ کر اسلامی طریقہ پر ذبح کرے تو اس کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔ صرف اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہے جبکہ وہ خدا کا نام لے کر ذبح کریں اور اسلامی طریقہ پر ذبح کریں۔

سوال نمبر ۱۴ - پاکستان سے کسی کافر ملک کی جنگ میں جماعت اسلامی کا رویّہ

"اگر پاکستان اور کسی غیر مسلم حکومت میں جنگ ہو تو کیا جماعت حکومت کی مدد کرے گی؟ اگر جواب ہاں ہے تو کس حد تک مدد کرے گی؟ کیا وہ دوسری مسلمان حکومتوں پر بھی یہ اثر ڈالے گی کہ وہ پاکستان کی مدد کریں؟"

جواب :- اگر کوئی غیر مسلم ملک کسی مسلمان ملک پر حملہ کرے اس صورت میں اس کی مدافعت کے لیے جنگ کرنا ہمارا دینی فریضہ ہے قطع نظر اس سے کہ مسلمان ملک کی حکومت کیسی ہی ہو۔ اس لیے کہ حکومت خواہ بُری ہو یا اچھی، اگر غیر مسلم دشمن ملک کے اوپر قابض ہو جائے تو ہماری مسجدیں، ہماری عورتوں کی آبرو، ہماری جان و مال کوئی چیز بھی محفوظ نہیں رہ سکتی۔ اس لیے ہم کو اپنے دین، اپنے گھر، اپنی عزت، اپنی آبرو اور اپنے مال کو بچانے کے لیے جنگ کرنے کا حق ہے۔ ساری دنیا میں مدافعت کے اس حق کو تسلیم کیا جاتا ہے اور شریعت نے بھی اس کا حکم ہمیں دیا ہے۔ اس میں یہ بحث نہیں ہے کہ ہمارے ملک کی حکومت کیسی ہے۔ اگر کوئی فاسق و فاجر بھی حکمراں ہو تب بھی ہم اس کے ساتھ مل کر لڑیں گے اور ملک کو بچائیں گے۔ اس کے بعد جب اُس فاسق و فاجر کی خبر لینی ہو گی تو لیتے رہیں گے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ایک شرعی مسئلہ ہی ہے کہ کسی مسلمان ملک پر اگر کوئی غیر مسلم طاقت حملہ کرے تو دوسرے مسلمان ملکوں کو بھی اس کی مدد کرنی چاہیے۔

سوال نمبر ۱۵ - جماعت اسلامی نے مشرقی پاکستان میں فوج کی مدد کیوں کی؟

"جماعت اسلامی نے مشرقی پاکستان میں فوجی کارروائی کی مدد کی۔ پاکستان کی فوج نے وہاں بہت سے مظالم کیے۔ اس بنا پر کیا جماعت کو ان کے رویہ کی اخلاقی ذمہ داری قبول نہیں کرنی چاہیے؟"

جواب :- ہمارے پیش نظر یہ تھا کہ مشرقی پاکستان کے مسلمان، جو دو سو برس تک انگریز اور ہندو کے ہاتھوں کچلے جاتے رہے تھے، کہیں وہ پھر ہندوستان کی غلامی میں نہ چلے جائیں۔ لہٰذا ان کو بچانے کے لیے ہم نے جنگ کی

اور آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ جنگ ہماری جماعت کے بنگالی کارکنوں ہی نے لڑی تھی مغربی پاکستان سے جماعت کا کوئی آدمی نہ گیا تھا۔ مشرقی پاکستان میں عملاً جو صورت پیش آئی وہ یہ تھی کہ بنگالی قوم پرست مسلمان اور ہندو مل کر ایک قوم بن گئے تھے اور انہوں نے ہندوستان سے مدد لے کر پاکستان کے خلاف بغاوت کی تھی۔ اب آپ ہی بتائیں کیا ہم سے یہ توقع کی جاسکتی تھی کہ ہم آنکھوں دیکھتے اس بات کو گوارا کر لیتے کہ ایک طرف اندر سے ہندو اور مسلمان بنگالی قوم پرست مل کر بغاوت کریں اور دوسری طرف باہر سے ہندوستان کے ہندو پہلے درپردہ اور پھر علانیہ ان باغیوں کی مدد کو آجائیں، اور ہم ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر بیٹھے یہ تماشا دیکھتے رہیں۔ یہ بغاوت مشرقی پاکستان کے عام مسلمانوں کی نہ تھی بلکہ صرف بنگالی قوم پرست مسلمانوں اور ہندوؤں کی تھی، اور ہندوستان کی مداخلت اس کو طاقت پہنچا رہی تھی۔ اس کے کامیاب ہونے کا لازمی نتیجہ یہ ہونا تھا کہ وہاں سات کروڑ مسلمانوں کی آبادی غلامی کے جوئے میں کس دی جائے۔ کیا آپ کی رائے میں ہمیں اس المناک نتیجے کو رونما ہونے سے روکنے کے لیے کچھ نہ کرنا چاہیے تھا؟ اب آپ خود جاکر وہاں دیکھ لیں کہ اس نام نہاد بنگلہ دیش کی عام مسلمان آبادی کا کیا حال ہو رہا ہے۔ ان کے مذہبی مدارس تباہ کر دیے گئے۔ بکثرت بنگالی مسلمان علماء قتل کر دیے گئے۔ دینی تعلیم کے لیے قاعدے اور سیپارے تک نہیں مل رہے ہیں۔ معاشی بدحالی کا یہ عالم ہے کہ ایک مزدور کو آٹھ روپے روزانہ اجرت ملتی ہے مگر بیس روپے سے کم میں ایک دن کا کھانا میسر نہیں آتا۔ حالانکہ ایک زمانہ میں جب پاکستان تھا تو تین روپے ایک مزدور کو ملتے تھے اور وہ پیٹ بھر کے دو وقت کھانا کھاتا تھا۔ اب جاکر اہل بنگال کو اور خود بنگالی قوم پرست مسلمانوں کو معلوم ہوا ہے کہ ناجائز استحصال (EXPLOITATION) جس کا رونا وہ پاکستان کے زمانے میں روتے تھے، اصل میں کس چیز کا نام ہے اور اب انہیں کون لوٹ کھسوٹ رہا ہے۔ ہندوستان کی فوجوں نے وہاں داخل ہو کر ملک کو بے تحاشا لوٹا ہے۔ ہندو وہاں کے کارخانے اکھاڑ اکھاڑ کر لے گئے۔ لوگوں کے گھروں سے ریفریجیٹر اور ایئرکنڈیشنر تک نکال لے گئے۔ موٹریں چھین چھین کر لے گئے۔ اور اب اتنے بڑے پیمانے پر وہاں کا خام مال ہندوستان اسمگل ہو رہا ہے کہ اس نے مشرقی پاکستان کی معیشت کو کھوکھلا کر دیا ہے۔ یہ جو نام نہاد آزادی مشرقی پاکستان کے لوگوں کو ملی ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان جب چاہے وہاں اپنی فوجیں داخل کر سکتا ہے۔ ہندوستان کی مرضی کے خلاف یہ نام نہاد بنگلہ دیش کوئی فوج، کوئی ایئرفورس اور کوئی بحری بیڑہ نہیں رکھ سکتا۔ نہ کسی سے آزادانہ تجارتی معاملات طے کر سکتا ہے۔ اپنے بنگالی مسلمان بھائیوں کو اسی انجام سے بچانے کے لیے جماعت اسلامی کے کارکنوں نے اپنی جانیں لڑا دیں اور اپنے

چھ سات ہزار سے زیادہ آدمی شہید کرا دیے۔ جو لوگ مشرقی پاکستان میں پاکستانی افواج کے مظالم کی دُہائی دیتے ہیں اُن کو معلوم نہیں ہے کہ بنگالی قوم پرست مسلمانوں نے ہندوؤں کے ساتھ مل کر نہ صرف غیر بنگالی مسلمانوں پر بلکہ خود دیندار بنگالی مسلمانوں پر بھی کیسے کیسے خوفناک مظالم ڈھائے تھے۔ انہوں نے مردوں، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو بلا امتیاز لاکھوں کی تعداد میں قتل کیا۔ عورتوں کے ننگے جلوس نکالے اور باپوں، بھائیوں، شوہروں اور بیٹوں کے سامنے ان کو بے حرمت کیا۔ حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کیے۔ بچوں کو قتل کر کے ان کی ماؤں کو مجبور کیا کہ ان کا خون پئیں۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ جس سرزمین میں مسلمان کافروں کے ساتھ مل کر مسلمانوں پر یہ ظلم ڈھائیں وہ سرزمین خدا کے عذاب سے کبھی نہیں بچ سکتی۔ آفرین ہے مغرب کے جھوٹے پریس پر کہ اس نے پاکستانی فوجوں کے جھوٹے سچے مظالم کا تو ڈھول خوب پیٹا، مگر بنگالی قوم پرستوں کے اِن مظالم کا کبھی ذکر تک نہ کیا۔

سوال نمبر ۱۶ - اہل کتاب کا ذبیحہ

"یہودی یا مسیحی اہل کتاب کا ذبح کیا ہوا گوشت حلال ہے یا حرام؟"

جواب:- قرآن مجید میں آپ سورۂ مائدہ کا پہلا رکوع پڑھیے، اس میں سب سے پہلے مسلمانوں سے یہ کہا گیا ہے کہ تمہارے لیے طیّبات (پاک چیزیں) حلال کی گئی ہیں۔ اس کے بعد یہ کہا گیا ہے کہ تمہارے لیے اہل کتاب کا کھانا حلال ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اہل کتاب کا طیّب کھانا ہمارے لیے حلال کیا گیا ہے نہ کہ ان کا خبیث (ناپاک) کھانا۔ اور اسی سورہ میں طیّبات کی یہ تشریح بھی کر دی گئی ہے کہ جانور حلال قسم کا ہو، اس کو صحیح طریقہ سے ذبح کیا گیا ہو اور اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ انہی شرائط کے ساتھ اہل کتاب کا کھانا ہمارے لیے حلال کیا گیا ہے۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے ساتویں آٹھویں صدی تک عیسائی کم از کم شرقِ اوسط میں اسی طریقہ سے ذبح کرتے تھے، جیسا کہ حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے۔ اس لیے ان کا ذبیحہ حلال تھا۔ مگر اب چونکہ انہوں نے اس طریقہ کی پابندی چھوڑ دی ہے اس لیے ان کا ذبیحہ حلال نہیں رہا۔ البتہ مذہب کے پابند یہودیوں کے متعلق مجھے معلوم ہوا ہے کہ ان کے ہاں ذبح کرنے کا طریقہ تقریباً وہی ہے جو ہمارے ہاں رائج ہے اور وہ ذبح کرتے وقت اللہ کا نام بھی لیتے ہیں۔ اب یہ آپ لوگ خود تحقیق کر لیں کہ وہ یہاں اس طریقہ پر عمل کرتے ہیں یا نہیں۔ میں نے پاکستان میں ان کے ایک عالم سے پوچھا تھا تو اُس نے مجھے بتایا تھا کہ ہمارے ہاں بھی یہی حکم ہے کہ ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیا جائے اور ہمارے ہاں ذبح کا طریقہ بھی وہی ہے جو آپ کے ہاں ہے۔ اسی بنا پر میں ان کے ذبیحہ کو حلال سمجھتا ہوں۔

مگر میں آپ سے یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا، اگر یہودیوں نے دنیا بھر کے ملکوں میں منتشر ہو جانے کے باوجود اپنے لیے کوشر (KOSHER) گوشت کا انتظام کیا اور اپنے اس حق کو تسلیم کرایا کہ وہ اپنے لیے جانور اپنے طریقہ پر ذبح کریں گے، تو آخر آپ ہزاروں کی تعداد میں یہاں رہتے ہوئے اپنے لیے حلال گوشت کا انتظام کیوں نہیں کرتے اور خواہ مخواہ کی تاویلوں سے جھٹکے کے گوشت کو اپنے لیے حلال کرنے کی کوشش کیوں کرتے ہیں؟

سوال نمبر ۱۷ - اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کا مسئلہ

"کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اس زمانے کے یہودی اور عیسائی اہل کتاب میں شمار ہو سکتے ہیں؟ کیا ایک مسلمان اس زمانے کی ایک یہودی یا عیسائی عورت سے شادی کر سکتا ہے؟ اگر نہیں تو آپ قرآن کی اُس آیت کی کیا توجیہ کریں گے جو اہل کتاب کی عورتوں سے شادی کرنے کو جائز قرار دیتی ہے؟"

جواب: - اس زمانے کے یہودیوں اور عیسائیوں کے مذہب میں کوئی نئی بات ایسی نہیں پائی جاتی جو نزولِ قرآن کے زمانے میں ان کے اندر موجود نہ رہی ہو۔ اس وجہ سے یہ اب بھی اہل کتاب ہی ہیں۔ رہا ان سے شادی کرنے کا تعلق تو اس کے بارے میں آپ تین باتوں کو ملحوظ رکھیں۔

ایک یہ کہ قرآن میں اجازت دی گئی ہے حکم نہیں دیا گیا ہے

دوسرے یہ کہ جن عورتوں سے شادی کرنے کی اجازت دی گئی ہے ان کے لیے ایک شرط تو یہ لگائی گئی ہے کہ وہ محصنات (یعنی باعصمت) ہوں۔ اور دوسری شرط یہ کہ ان سے خفیہ یا علانیہ ناجائز تعلقات پیدا نہ کیے جائیں اور شادی کر کے اُن کی خاطر اپنے ایمان اور اپنی آخرت کو خطرہ میں نہ ڈالا جائے۔

تیسری بات یہ ہے کہ جو کام شرعاً جائز ہیں اُن پر عمل کرنے سے پہلے آدمی کو اپنے زمانے کے حالات اور ماحول پر نگاہ ڈال کر یہ ضرور دیکھ لینا چاہیے کہ آیا اس زمانے اور اس ماحول میں یہ کام کرنے سے کوئی قباحت تو پیدا نہیں ہو گی۔ اب آپ دیکھیے کہ امریکہ، کینیڈا اور یورپ میں جو عورتیں پائی جاتی ہیں، وہ اصطلاحاً (TECHNICALLY) تو اہل کتاب ضرور ہیں، لیکن ان میں بہت کم تعداد ایسی عورتوں کی ہے جو صحیح معنوں میں اہل کتاب ہوں۔ یعنی خدا اور رسول اور کتابوں اور آخرت پر ایمان رکھتی ہوں۔ پھر جو ایسی ہیں بھی ان پر محصنات ہونے کا اطلاق مشکل ہی سے ہو سکتا ہے۔ اب رہا زمانے اور حالات کا معاملہ تو ان ممالک میں رہتے ہوئے کسی یہودی یا عیسائی عورت سے شادی کرنے کے معنی یہ ہیں کہ آدمی اپنے آپ کو نہیں تو اپنی آئندہ نسل کو غیر مسلم معاشرے میں

بالکل جذب ہو جانے کے خطرے میں مبتلا کر رہا ہے۔ اور اگر وہ بالفرض اُس عورت کو اپنے مسلم معاشرے میں لے بھی جائے تو اس طرح کی عورتوں میں بمشکل ایک فی صد عورت ایسی ملے گی جو اپنے آپ کو، اپنے گھر کو، اور اپنے بچوں کو اسلامی معاشرے کے آداب اور طرزِ زندگی میں ڈھال لے۔ اِس کے برعکس خود شوہر صاحب اُس کی خاطر اپنے پورے گھر کو ایک مغربی گھر کا نمونہ بنا لیتے ہیں اور ان کی میم صاحبہ صرف اپنے ہی گھر کو نہیں بلکہ شوہر کے خاندان اور رشتہ داروں کو بھی اسلامی طرزِ زندگی اور اسلامی افکار سے ہٹانے کی موجب بن جاتی ہیں۔ ایسی صورت میں جذبات سے مغلوب ہو کر محض جواز کے حیلے سے عیسائی یا یہودی عورتوں سے شادی کر لینا دینی مصلحت کے بالکل خلاف ہے۔

سوال نمبر ۱۸۔ کیا اسلامی اصول حالات اور زمانے کے مطابق ڈھالے جا سکتے ہیں؟

"کیا آپ کا خیال یہ ہے کہ بعض اسلامی اصول حالات اور زمانے کے مطابق ڈھالے جا سکتے ہیں؟ آپ کا ان لوگوں کے معاملے میں کیا طرزِ عمل ہوگا جو ہیں تو مسلمان مگر اسلامی تعلیمات کا مذاق اُڑاتے ہیں؟"

جواب:۔ آپ نے دراصل دو سوالات کیے ہیں۔

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ حالات اور زمانے پر اسلامی اصولوں کو منطبق کرنے کا کام بچوں کا کھیل نہیں ہے، بلکہ اسلامی قانون میں گہری مجتہدانہ بصیرت رکھنے والے ہی ایسا کام کر سکتے ہیں۔ اور اکثر صورتوں میں زمانے اور ماحول کے حالات پر اُن کو منطبق کرنے کی شکل وہ نہیں ہو سکتی جو علمِ دین کے بغیر اِس طرح کے انطباق کی باتیں کرنے والے چاہتے ہیں۔ اگر حالات اور زمانے میں اسلام کے اصولوں کے خلاف بگاڑ پیدا ہو گیا ہو تو اسلام میں بصیرت رکھنے والا آدمی اسلامی اصولوں میں ڈھیل پیدا کرنے کے بجائے اور زیادہ سختی برتنے کی ضرورت محسوس کرے گا۔ مثلاً ابھی اہلِ کتاب سے شادیاں کرنے کے متعلق جو سوال مجھ سے کیا گیا تھا اس میں میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ حالات و زمانے کی رعایت سے اِس دور کی یہودی یا عیسائی لڑکیوں سے شادی کرنے کی اجازت میں نرمی کرنے کے بجائے الٹی سختی کرنے کی ضرورت ہے۔

آپ کے دوسرے سوال کا جواب قرآن مجید ہی میں دے دیا گیا ہے۔ سورۂ نساء (آیت ۱۴۰) میں فرمایا گیا ہے کہ:

"جب تم سنو کہ اللہ کی آیات سے کفر کیا جا رہا ہے اور ان کا مذاق اُڑایا جا رہا ہے تو ایسے

لوگوں کے پاس ہرگز نہ بیٹھو جب تک کہ وہ گفتگو کا موضوع بدل نہ دیں ۔ اگر تم نے ایسا کیا تو تم بھی انہی جیسے ہو گے"۔

سوال نمبر ۱۹ ۔ کیا شادی سے پہلے لڑکی سے تخلیہ میں ملاقات کی جا سکتی ہے؟

"کیا ایک مسلمان اُس لڑکی سے ملاقات کر سکتا ہے جس سے وہ شادی کرنا چاہتا ہو؟ اگر یہ جائز ہے تو کیا وہ تخلیہ میں اس سے مل سکتا ہے اور اس کے سرپرستوں کی اجازت کے بغیر بھی مل سکتا ہے؟"

جواب :- اسلام میں کورٹ شپ کی کوئی جگہ نہیں ہے ۔ جس بات کی اجازت حدیث میں دی گئی ہے وہ صرف اتنی ہے کہ لڑکی کے سرپرستوں کی موجودگی میں اس کی شکل دیکھ لی جائے ۔ تخلیے کی ملاقات نہیں، اور وہ بھی سرپرستوں کے علم و اجازت کے بغیر، اسلامی طریقہ نہیں ہے ۔ بلکہ یہ رنگ ڈھنگ امریکہ اور کینیڈا اور یورپ کے لوگوں کو ہی مبارک رہیں ۔ آپ لوگ اگر یہاں اپنی معاشی ضروریات کی خاطر آئے ہیں تو اپنے اُوپر کم از کم اتنا کرم کیجیے کہ اپنی اسلامی اقدار کو یہاں کے طور طریقوں کے مطابق ڈھالنے کی کوشش نہ کریں ۔

سوال نمبر ۲۰ ۔ کیا سودی قرض لے کر مکان خریدا جا سکتا ہے؟

"اس ملک میں مکان بہت مہنگے ہیں اور کرائے پر اگر آدمی لے تو وہ بھی بہت زیادہ گراں ہوتا ہے ۔ اس حالت میں کیا مکان بینک کے پاس رہن رکھ کر سودی قرضہ کے ذریعہ خریدا جا سکتا ہے؟"

جواب :- حرام و حلال کے اختیارات اگر میرے ہاتھ میں ہوتے تو میں آپ کے لیے کسی چیز کو حرام نہ رہنے دیتا ۔ لیکن یہ اختیارات تو اللہ نے اپنے ہاتھ میں رکھے ہیں، اور میں اس کے مقرر کیے ہوئے حلال و حرام کے احکام میں کوئی رد و بدل کرنے کا مجاز نہیں ہوں ۔

رہی یہ بات کہ آپ یہاں کے حالات میں اپنے آپ کو سودی ذرائع سے مکان خریدنے پر مجبور سمجھتے ہیں، تو اپنی اس مجبوری کا فیصلہ آپ اپنی ذمہ داری پر خود کریں ۔ مجھے اس ذمہ داری میں شریک نہ کریں ۔ آپ کو دنیا میں کم از کم مکان تو مل جائے گا، لیکن آخرت میں آپ کے ساتھ میری بھی شامت آئے گی ۔

سوال نمبر ۲۱ - سرکاری بانڈز کا حکم

"کیا گورنمنٹ کے بانڈز پر دیا جانے والا منافع بھی سود میں شمار ہوتا ہے؟"

جواب:- اس کے سود ہونے میں کسی شک کی گنجائش نہیں۔

سوال نمبر ۲۲ - ایسی کمپنی کی ملازمت جو حلال وحرام دونوں قسم کے کام کرتی ہو

"کیا کسی حالت میں ایک مسلمان کسی ایسی تجارتی کمپنی میں ملازمت کر سکتا ہے جو حلال وحرام دونوں قسم کی چیزیں تیار کرتی ہو یا اُن کا بیوپار کرتی ہو؟

جواب:- ایک غیر مسلم معاشرے اور حکومت میں رہ کر مسلمان افراد کے لیے حلال وحرام کی تمیز کرنا اور حرام سے ہر حالت میں بچنا بلاشبہ ایک سخت مشکل کام ہے، لیکن جہاں تک آپ کے امکان میں ہو آپ اپنے آپ کو حرام سے بچانے کی انتہائی کوشش کریں۔ بالفرض اگر ایسی کسی کمپنی میں نوکری کرنی ہی پڑ جائے جو حلال وحرام دونوں قسم کے کاروبار کرتی ہو تو شریعت کی رُو سے آپ کے ساتھ یہاں کے حالات میں زیادہ سے زیادہ جو رعایت ہو سکتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ اس کے کسی ایسے شعبے میں ملازمت کریں جو حلال قسم کا کاروبار کرتا ہو۔

سوال نمبر ۲۳ - مولود شریف اور قیام کا مسئلہ

"آپ کی رائے میں کیا مولود شریف پڑھنا جائز ہے اور کیا اس میں تعظیماً کھڑا ہونا بھی جائز ہے؟"

جواب:- مولود شریف جس چیز کا نام ہے دراصل اس سے مراد ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم، اور سیرتِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بیان ہے۔ اس کے جائز ہی نہیں کارِ ثواب ہونے میں بھی کسی کلام کی گنجائش نہیں ہے، البتہ اس میں غلط اور موضوع روایات بیان کرنا درست نہیں، اور مولود کی محفلوں پر اگر اعتراض ہو سکتا ہے تو اسی پہلو سے ہو سکتا ہے۔

رہا سلام کے لیے تعظیماً کھڑا ہونا تو نہ یہ فرض و واجب ہے کہ ہر آدمی کو اس پر مجبور کیا جائے اور نہ کھڑے ہونے والے کو ملامت کی جائے۔ نہ یہ حرام ہے کہ جو ایسا کرتا ہے اس کو ملامت کی جائے۔ کوئی شخص اگر عقیدت

کی بنا پر کھڑا ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن اس کے لازم اور ضروری نہ ہونے کا ثبوت تو ہم ہر روز پنج وقتہ نماز میں دیتے ہیں۔ تشہد میں اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ کھڑے ہو کر آخر کون صاحب پڑھا کرتے ہیں؟ سب اس کو بیٹھ کر ہی پڑھتے ہیں اور یہ تشہد خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سکھایا ہوا ہے۔ اس لیے جو لوگ اس کے ضروری ہونے پر زور دیتے ہیں ان کو بھی اپنے مبالغے سے باز آجانا چاہیے کیونکہ شریعت میں اس کے لزوم کا کوئی ثبوت نہیں۔

سوال نمبر ۲۴۔ کیا ہر اسلامی اصول منطقی دلائل سے صحیح ثابت کیا جاسکتا ہے؟

"کیا ہر اسلامی اصول کی خالص منطقی طریقے سے توجیہہ کی جاسکتی ہے؟ اگر نہیں تو کیا بعض اسلامی اصول محض اندھے ایمان کی بنا پر ماننے کے لیے ہیں؟ آپ منطقی طریقے سے آخر تقدیر کی کس طرح تشریح کریں گے؟"

جواب:۔ اسلام کا کوئی اصول یا عقیدہ یا حکم غیر معقول نہیں ہے۔ ہر ایک کو عقلی اور خالص منطقی طریقے سے سمجھایا جاسکتا ہے۔ ہمیں مسلمان ہونے کے لیے کہیں بھی اندھے ایمان کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ آپ نے تقدیر کا مسئلہ اپنے نزدیک یہ سمجھتے ہوئے چھیڑا ہے کہ اس مسئلہ میں منطق بالکل نہیں چل سکتی۔ لیکن براہ کرم میری کتاب "جبر وقدر" اور میری تفسیر تفہیم القرآن کی ہر جلد کے انڈکس میں لفظ "تقدیر" نکال کر وہ تمام مقامات دیکھ لیجیے جہاں میں نے اس مسئلہ کی تشریح کی ہے۔ اس کے بعد آپ مجھے ضرور بتایئے گا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کی پیشگی تقدیر کا طے ہونا زیادہ معقول ہے یا طے نہ ہونا زیادہ معقول ہے؟ کیا آپ ایسے خدا پر ایمان لاسکتے ہیں جس کو اپنی خدائی میں پیش آنے والے کسی واقعہ کا ایک لمحہ پہلے تک بھی علم نہ ہو اور جب کوئی واقعہ پیش آجائے تب اسے پتہ چلے کہ میری خدائی میں یہ کچھ ہو گیا؟ کیا واقعی ایسا خدا اس عظیم کائنات پر حکومت کر سکتا ہے؟

خطاب

میں آپ کے سوالات کے جوابات دے چکا ہوں۔ اب میں اختصار کے ساتھ خود بھی کچھ آپ سے عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اگرچہ آپ اس سرزمین میں مختلف مقاصد کے لیے آئے ہیں۔ کوئی آپ میں سے علم حاصل کرنے یا کوئی فن سیکھنے کے لیے آیا ہے۔ کوئی اپنی معاش کی فکر میں آیا ہے۔ اور کچھ ایسے لوگ ہیں جو یہیں رہ بس گئے ہیں لیکن

ان سب چیزوں کے ساتھ آپ کی ایک حیثیت اور بھی ہے اور وہ ہے آپ کے مسلمان ہونے کی حیثیت۔ اس دوسری حیثیت میں آپ لامحالہ جہاں بھی رہیں گے اور جہاں بھی جائیں گے آپ کو اسلام کا نمائندہ ہی سمجھا جائے گا، خواہ آپ کو اس کا احساس ہو یا نہ ہو۔ ایک غیر مسلم جب بھی آپ کو دیکھے گا، یہی سمجھے گا کہ مسلمان ایسا ہوتا ہے۔ اب اگر آپ نے اپنے آپ کو ایک بُرے انسان کی حیثیت سے پیش کیا، اپنے اخلاق، اپنے معاملات اور اپنے رہن سہن کا بُرا نمونہ لوگوں کو دکھایا، یا یہاں کے عوام و خواص کو یہ تأثر دیا کہ جیسے وہ ہیں ویسے ہی آپ بھی ہیں، تو آپ اسلام کی غلط نمائندگی کریں گے اور اس صورت میں آپ کو دیکھ کر جو شخص بھی اسلام کے متعلق بُری رائے قائم کرے گا اس کی ذمہ داری آپ پر ہوگی۔ اس کے برعکس اگر آپ نے اپنے قول و عمل سے، اپنے اخلاق اور معاملات سے، اپنے طرزِ زندگی سے اسلام کی صحیح نمائندگی کی تو بعید نہیں کہ بہت سے لوگوں کے دل اسلام کے لیے کھل جائیں گے خواہ آپ باقاعدہ تبلیغ کا کام کریں یا نہ کریں۔ لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ ہر مسلمان جو یہاں رہتا ہے اپنی اس حیثیت اور اس ذمہ داری کو محسوس کرے۔ آپ کی زندگی اگر ایک سچے اور پورے عملی مسلمان کی سی زندگی ہو تو آپ کا وجود ایک جیتا جاگتا اور چلتا پھرتا مبلغ بن جائے گا۔

دوسری بات میں آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ میں سے جو لوگ یہاں رہ پڑے ہیں وہ اپنی آئندہ نسل کی فکر کریں۔ آپ یہاں ایک مسلمان ملک اور مسلمان معاشرے سے نکل کر آئے ہیں۔ آپ نے مسلمان ماں باپ کے گھر میں آنکھیں کھولی ہیں۔ آپ نے خواہ اسلام کی تعلیم حاصل نہ بھی کی ہو تو زندگی کا ایک خاصا حصہ مسلم معاشرے میں گزارا ہے جس کے اندر رہ کر ہر شخص کچھ نہ کچھ اسلام کے متعلق ضرور جان لیتا ہے۔ اس کو سرسری ہی سہی، بہرحال اتنا ضرور علم ہوتا ہے کہ اسلامی عقائد کیا ہیں، اسلامی عبادات کیا ہیں، اسلام کی نگاہ میں کیا چیز بُری ہے اور کیا چیز اچھی، اور مسلمان کا طرزِ زندگی کیا ہے۔ لیکن آپ کی اولاد جو یہاں پرورش پا رہی ہے وہ بالکل نہیں جانتی کہ اسلام کیا ہے اور اسلامی زندگی کیا ہوتی ہے۔ اس کو اسلام کی کوئی تعلیم نہیں ملتی، اور نہ مسلم معاشرے کے طور طریقوں سے وہ واقف ہوتا ہے۔ یہاں آنکھیں کھول کر ایک بچہ ہر وقت ایک غیر مسلم معاشرے کو چلتا پھرتا دیکھتا ہے۔ یہاں کے مدارس میں جاتا ہے تو وہی تعلیم و تربیت اسے ملتی ہے جو یہاں کے بچوں اور نوجوانوں کو دی جاتی ہے۔ اس حالت میں آپ چاہے کتنا ہی زور لگالیں اپنی اولاد کو یہاں کے معاشرے سے، یہاں کے اخلاق و تہذیب اور یہاں کے غلط نظامِ زندگی میں جذب ہونے سے نہیں بچا سکتے۔ اس لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ جہاں بھی مسلمان کافی تعداد میں آباد ہیں وہاں وہ اپنے بچوں کی اسلامی تعلیم و تربیت کا خود انتظام کریں۔ اگر وہ اس کی ضرورت اور اہمیت کو محسوس کرلیں گے تو یہ کچھ مشکل نہیں ہے کہ مِل جُل کر ایک تنظیم قائم کریں، ایک تعلیمی فنڈ قائم کریں جس میں ہر شخص

باقاعدگی کے ساتھ اپنی استطاعت کے مطابق چندہ دے، اور اس فنڈ سے مسلمان بچوں کے لیے مدارس کھولے جائیں جن میں تعلیم اسی معیار کی ہو جو اس ملک کا نظامِ تعلیم چاہتا ہے، مگر اس کے ساتھ دینی تعلیم و تربیت بھی دی جائے اور مسلمان بچوں کو یہاں کے نظامِ تعلیم کی گندگیوں (مثلاً جنسی تعلیم اور مخلوط تعلیم) سے محفوظ رکھا جائے۔ ان مدرسوں کے ساتھ ایسے ہوسٹل بھی قائم کیے جائیں جن میں ایسے مقامات کے لوگ اپنے بچے بھیج سکیں جہاں مسلمانوں کی تعداد اتنی کم ہے کہ وہ اپنے مدرسے قائم نہیں کرسکتے۔ میرے نزدیک کوئی وجہ نہیں ہے کہ آپ کے مدارس کو تسلیم نہ کیا جائے۔ اگر آپ یہ ثابت کردیں گے کہ کینیڈا یا امریکہ میں تعلیم کا جو معیار ہے آپ کے مدارس اس معیار پر پورے اترتے ہیں اور آپ اس معیار کو برقرار رکھتے ہوئے اپنے بچوں کو اپنے مذہب کی تعلیم دینا چاہتے ہیں تو میں نہیں سمجھتا کہ آپ کے اس حق کو تسلیم کرنے سے کوئی حکومت انکار کردے گی۔ اگر یہاں دوسرے مذہبی یا نسلی گروہوں کو اپنے مخصوص (PAROCHIAL) مدارس قائم کرنے کی اجازت دی جاسکتی ہے تو آخر آپ کو کیوں نہیں دی جاسکتی؟ شرط بس یہ ہے کہ آپ بھی اپنا حق منوانے کے لیے اسی طرح کی کوشش کریں جس طرح دوسروں نے کی ہے اور اسے منوا کر چھوڑا ہے۔ میں صاف صاف عرض کرتا ہوں کہ اگر آپ نے اس کام میں غفلت سے کام لیا تو آپ کی پہلی نسل کو تو شاید یہ یاد بھی رہ جائے کہ ان کے باپ دادا مسلمان تھے لیکن دوسری تیسری نسل تک پہنچتے پہنچتے وہ بالکل یہاں کی تہذیب اور معاشرے میں گم ہوجائیں گے اور ان کے اندر اسلام کی رمق تک باقی نہ رہے گی۔ خدا نہ کرے کہ اس حد تک نوبت پہنچے۔ اس لیے میں بڑی دل سوزی کے ساتھ آپ کو اس کام کی ضرورت و اہمیت کا احساس دلاتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ کینیڈا اور امریکہ میں رہنے والے مسلمان اس میں کسی تساہل اور تاخیر سے کام نہ لیں گے۔

وَآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین